اشفاق احمد کے ادبی و شخصی رویوں پر اٹلی کے اثرات

Effects of Italy on the Literary and Personal Attitudes of Ashfaq Ahmed

ڈاکٹر شاذیہ صدف

صدر شعبۂ اردو

ماڈل کالج برائے طالبات، ایف 7/4 اسلام آباد

Abstract:

Ashfaq Ahmad is one of the brightest stars on the horizon on Pakistani Urdu literature. This article explores how Ashfaq Ahmed's stay in Italy generally, and Rome particularly, impacted his personality and works. It further highlights how the observations and experiences of Rome that had him spell bound till his last breath, broadened the emotional and intellectual vistas of writer par excellence. Moreover, his meetings with the intelligentsia of the time and the influence of the Roman culture that shaped his literary and scholastic writings, remain the focus of this paper

Keywords:

خیالات(Thoughts)، شخصیت (personality)، اثرات (Impacts)، ملازمت (job)، براڈ کاسٹر (broadcaster)، استاد(Teacher)، فلم سازی(Film making)، مشرقی دانش(Eastern Wisdom)، محسور کن(Fascinating)۔

انسان کی علمی، ادبی، ذہنی اور شخصی رویوں کی نمو میں ماحولیاتی عناصر کا کردار اہلِ دانش و بینش کی نگاہوں سے مخفی نہیں ہے۔ اشفاق احمد جو اپنی ذات میں ایک دبستان کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی بصیرت افروز گفتگوئیں اور تحریریں بھی ان کے ماحول میں موجود گوہر حکمت چنتی دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں ان کی تخلیقات میں مکتی سر (فیروز پور) کے کلچر اور ثقافت کی جھلک موجود ہے، وہاں ان کی شخصیت اور نگارشات پر اٹلی میں قیام کے واضح اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ اشفاق احمد نے بہت سے ممالک مثلاً ایران، چین، سعودی عرب، دوبئ، قطر، اسپین، فرانس، ڈنمارک، ناروے، سویڈن، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ کا سفر اختیار کیا اور مختلف تہذیبوں کا مشاہدہ کیا لیکن اٹلی کی تہذیب و تمدن نے ان کی فکر اور سوچ پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کیے۔

اشفاق احمد بسلسلہ ملازمت یکم اکتوبر 1952ء کو اٹلی تشریف لے گئے۔ اٹلی کی حکومت کو روم یونی ورسٹی کے لیے لیکچرار اور روم ریڈیو کے لیے براڈ کاسٹر کی ضرورت تھی۔ اشفاق احمد میں دونوں خوبیاں موجود تھیں۔ وہ بیک وقت

استاد اور براڈکاسٹر کی حیثیت میں بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے لہذا حکومت اٹلی کی جانب سے ان کا انتخاب عمل میں آیا اور انھیں جولائی 1952ء میں ملازمت کا تقرر نامہ موصول ہو گیا جسے قبول کرتے ہوئے انھوں نے یکم اکتوبر 1952ء سے اپنے فرائض منصبی سنبھال لیے۔ وہاں ان کا قیام دو سال اور تین ماہ تک رہا اور 31 دسمبر 1954ء کو اپنی ملازمت کا دورانیہ مکمل کرنے کے بعد جنوری 1955ء میں وطن واپس لوٹ آئے لیکن اٹلی کی کشش انھیں بار بار اٹلی کی جانب کھینچتی تھی اور وہ اکتوبر 1963ء میں دوبارہ اٹلی تشریف لے گئے بعد ازاں اگست 1983ء میں بھی بانو قدسیہ کے ہمراہ اٹلی کے دوستوں سے ملنے کے لیے گئے۔

اٹلی میں قیام اشفاق احمد کے لیے نہایت فرحت بخش اور مسحور کن تجربہ ثابت ہوا۔ وہ(1) ایک مصاحبے میں بتاتے ہیں:

"وہ (اٹلی) میری زندگی کا بہت گراں قدر حصہ اور تجربہ ہے۔ میں پچیس سال کی عمر میں وہاں چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر میں کتاب سے تو بالکل ہٹ گیا مگر مشاہدے کا دور شروع ہوا۔"

اٹلی پہنچتے ہی اشفاق احمد نے راتے (کرائے) پر موٹر سائیکل لیا اور روم کی سڑکوں، پارکوں اور بازاروں وغیرہ کی سیر کا آغاز کر دیا۔ یہاں اشفاق احمد کو اٹلی کے کلچر کی سچی تصاویر دکھائی دیں اور ان کے رسم و رواج کو سمجھنے میں مدد ملی۔ یونیورسٹی اور ریڈیو اسٹیشن کے راستے پر آتے جاتے ہوئے اشفاق احمد کے مشاہدے میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ وہ(2) بتاتے ہیں:

"روم ایک اٹرنل شہر ہے۔ اس کی گلیاں اور بازار ایسے ہی رہیں گے لیکن آپ نے دیکھا ہو گا کہ وہاں قدم قدم پر عالی شان میوزیم اور دوسری کمال کی چیزیں ہیں۔ آپ پانچ دس سال میں روم کو دیکھ نہیں سکتے۔"

اشفاق احمد طبعاً مجلس پسند آدمی تھے۔ انھیں دوستوں اور اہلِ کمال کی محفلیں ہمیشہ سے پسند تھیں۔ لہٰذا اٹلی میں بھی ان کے دوستوں کی فہرست میں اہلِ کمال و فن شامل ہو گئے۔ وہ اپنے ریڈیو کے دوستوں کا ذکر بھی اکثر و بیشتر بڑی محبت اور خلوص سے کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اکثر یونیورسٹی سے ریڈیو تک کے راستے میں ان دوستوں خصوصاً پروفیسر بالدی اور پروفیسر باوسانی کا ساتھ رہتا اور ان دوستوں کے ساتھ ریڈیو اسٹیشن میں بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کرنا بجائے خود ایک پر لطف تجربہ تھا۔

اشفاق احمد نے ریڈیو پر مختلف پروگراموں اور ڈراموں کے اسکرپٹ بھی لکھے اور انھیں مہارت کے ساتھ پیش بھی کیا۔ ان کی صلاحیتوں کو سراہتے ہوئے انھیں ریڈیو روم کی جانب سے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ وہ(3) اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھے ریڈیو روم نے فارن سروس کے بہترین اناونسر کے طور پر دو سو روپیہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔۔

میں نے اکتالیس اناونسروں میں نام پیدا کیا ہے۔مجھے شاباش دیجیے ۔گو یہ نام اور میرا کام میری صحت برباد کر گیا۔۔۔مجھے شاباش دیجیے اور خوش ہو جایئے"

اشفاق احمد یونیورسٹی کی ملازمت اور ماحول سے بھی بے حد مطمئن تھے۔یہاں مختلف ممالک سے آئے ہوئے پروفیسروں سے ملاقاتیں رہتیں اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا۔ان کے ذریعے سے مختلف ممالک کی تہذیبوں ،رہن سہن اور دینی و دنیاوی خیالات ورجحانات سے واقفیت حاصل ہوتی۔اٹلی میں اساتذہ کا جو مقام و مرتبہ تھا اور انھیں جس عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔اس کا ذکر اکثر اشفاق احمد نے اپنی گفتگو اور تحریروں میں کیا ہے۔اس حوالے سے ان کا معروف پروگرام "استاد عدالت کے کٹہرے میں" (بشمول "زاویہ") دیکھا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ وہاں اساتذہ کو بہت سی مراعات بھی حاصل تھیں۔ان کا ذکر بھی احمد(4) اپنے ایک خط میں کرتے دکھائی دیتے ہیں:

"یہاں کا محکمہ تعلیم تو بہت اچھا ہے مثلاً مجھ جیسے غریب پروفیسروں کو سینما۔تھیٹر،کلب اور نمائشوں میں کبھی آدھے داموں پر اور کہیں مفت جانے کی اجازت ہے۔دفتروں میں ہیرا بھیری نہیں ہوتی۔"

اشفاق احمد کی ملاقات اٹلی کی یونیورسٹی میں بہت سی نامور علمی شخصیات سے بھی ہوئی۔جن کے اثرات کا اعتراف انھوں نے مختلف مصاحبوں میں بھی کیا ہے۔ان شخصیات میں سے ایک پروفیسر اونگاریتی بھی تھے۔اشفاق احمد ان سے اپنی پہلی ملاقات کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ یونیورسٹی کے سٹاف روم میں بین الاقوامی شہرت کے حامل پروفیسر سر اینڈریکو اور ان کے اسسٹنٹ پروفیسر فیراکوتی کے ہمراہ بیٹھے تھے کہ ایک ستر سالہ بزرگ داخل ہوئے اور سب لوگ انھیں احترام سے "دی ماسترو" کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔اشفاق احمد نے پروفیسر باوسانی (فارسی زبان کے ماہر اور ریڈیو پر فارسی میں نشریات کرنے والے) سے ان کے بارے میں پوچھا تو انھوں(5) نے بتایا کہ:

"یہ پروفیسر اونگاریتی ہیں۔یہاں کے ملک الشعرا ہیں۔یہ بین الاقوامی اہمیت کے بڑے شاعر ہیں۔میں نے حیرت سے پوچھا۔یہ اتنے بڑے پروفیسر کیسے بن گئے؟انھوں نے مجھے بتایا کہ یہ شخص جو پانچویں جماعت تک پڑھا ہوا ہے،اس کے تبحر علمی کے سامنے کوئی آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا اور اس کی جو تخلیقی صلاحیت ہے۔اس کو سارا یورپ بالخصوص اور ساری دنیا بالعموم تسلیم کرتی ہے۔"

پروفیسر باوسانی نے اشفاق احمد کو پروفیسر اونگاریتی سے متعارف کروایا۔اشفاق احمد حیرت زدہ تھے کہ اتنے عام سے اور سادہ سے لباس میں ملبوس اس شخص کی اس قدر عزت اور قدر و منزلت کیسے ہے۔اسٹاف روم میں موجود تمام پروفیسرز ان سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ان کے سامنے عقیدت سے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں لیکن جب اشفاق احمد کو ان سے ہم کلام ہونے کا موقع ملا تو وہ بھی ان کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو کر رہ گئے۔ان کے جوہر ان پر آشکارا ہو گئے اور انھوں نے بھی انھیں استاد تسلیم کر لیا۔وہ فقیرانہ سے حلیے میں نہایت فکر انگیز مضامین بیان کرتے اور

آگے بڑھ جاتے اور پروفیسر صاحبان وہیں سوچ کے دائروں میں دیر تک گردش کرتے رہتے۔اشفاق احمد کا بیان ہے کہ وہ تو ان کے چہرے کے تاثرات سے بہت کچھ سیکھ لیتے تھے۔وہ(6)لکھتے ہیں:

"جو گرو ہوتا ہے محض اس کے لفظوں سے ہی آدمی نہیں سیکھتا بلکہ اس کے بدن، چہرے اور آنکھوں سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔جب میں یہ سیکھ گیا کہ گرو کا کیا مقام اور احترام ہوتا ہے تو میرے اندر ایک تبدیلی یوں محسوس ہوئی کہ علم اور اس کا تبحر،اس کی گہرائی اور اس کا احترام میرے نزدیک کچھ اور طرح کا ہو گیا جس کے ہم لوگ عادی نہیں تھے اور جو ہمارے ہاں بالکل نہیں تھا۔ہم تو اچھے لباس اور رہن سہن دیکھنے کے عادی تھے۔میرے استاد پطرس بخاری اور پروفیسر سراج تھے۔ان لوگوں نے ولایت والے لوگوں کا انداز اختیار کر رکھا تھا مگر روم یونیورسٹی میں پروفیسر اونگاریتی کو جو عزت و تکریم ملی۔اس نے مجھے حیران کر دیا۔"

پروفیسر بالدی اور پروفیسر باوسانی اشفاق احمد کے دوست اساتذہ تھے۔پروفیسر بالدی ہسپانوی زبان میں ریڈیو پروگرام کرتے تھے جبکہ پروفیسر باوسانی فارسی زبان میں نشریات کے ذمہ دار تھے۔اشفاق احمد ان کی فارسی دانی کے بہت معترف تھے۔وہ اکثر و بیشتر اقبال کے فارسی کلام کے حوالے سے ان سے گفتگو فرماتے۔وطن واپسی کے بعد بھی وہ پروفیسر باوسانی سے رابطے میں رہے اور عرصہ دراز تک ان کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔اشفاق احمد کے خذانہ خطوط میں اٹلی کے دیگر دوستوں کے قیمتی خطوط بھی اطالوی زبان میں موجود ہیں۔اشفاق احمد ان دوستوں سے تعلق قائم رکھے ہوئے تھے۔انھوں نے روم یونیورسٹی سے 1954ء میں اطالوی زبان میں باقاعدہ ڈپلومہ حاصل کر لیا تھا لہٰذا وہ ان دوستوں کے خطوط کا باقاعدگی سے جواب دیا کرتے تھے۔

اشفاق احمد اٹلی میں ریڈیو پر ڈراموں کے اسکرپٹ بھی لکھا کرتے تھے۔ڈرامے میں اسی تعلق کی بنا پر وہ روم کی ایک جگہ "چینی چتا" جایا کرتے تھے۔یہاں اٹلی کی فلمیں بنا کرتی تھیں۔وہاں ان کی ملاقات "وٹوریو ڈی سیکا" سے ہوئی جو بہت بڑے فلم ساز اور ایکٹر بھی تھے۔اشفاق احمد نے ان کی کلاس میں باقاعدہ ایک طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لے لیا اور فلم سازی کی تکنیک سیکھنے لگے۔وہ(7)بتاتے ہیں:

"انھوں نے جو مجھے جو کچھ سکھایا پڑھایا۔میں اس پر ان کا بہت شکر گزار ہوں۔وہ مجھ پر بہت توجہ دیتے تھے۔انھوں نے کہا تم بہت ذہین ہو۔تمھیں فلم ڈائریکٹر بننا چاہیے۔اس کلاس میں میرے علاوہ ایک اور پاکستانی طالب علم (ربی الدین احمد) بھی تھے۔بہر کیف ہمیں کہا گیا کہ تھا جو بھی فلم کا ڈائریکٹر بنے گا ۔اسے گھڑ سواری ضرور آنی چاہیے۔۔۔۔میں نے ان سے کہا سر! مجھے تو گھڑ سواری سے معاف ہی رکھا

جائے تو بہتر ہو گا لیکن وہ نہیں مانے۔ چنانچہ میں نے کچھ گھوڑے سے ڈر کر اور کچھ گھبرا کر وہاں جانا چھوڑ دیا۔"

اشفاق احمد نے یہاں جس قدر بھی فلم سازی کی تربیت حاصل کی۔اس نے عملی زندگی میں ان کی معاونت کی۔ انھوں نے غالباً فلم سازی کی اسی تربیت سے تحریک پاکر وطن واپس آکر خود بھی "دھوپ سائے" کے نام سے ایک فلم بنائی۔ جس میں قدرتی ماحول میں ریکارڈنگز کی گئیں۔ یہ اٹلی کے ماحول کا اثر تھا کہ وہاں تصنع کو پسند نہیں کیا جاتا تھا اور ہر چیز پر نیو رئیلسٹک تحریک کے اثرات پائے جاتے تھے۔

اشفاق احمد اٹلی کی تہذیب کے بے حد گرویدہ رہے ہیں۔ وہاں کے لوگوں نے اپنی تہذیبی روایات کو نہایت خلوص کے ساتھ برقرار رکھا ہوا ہے۔ وہ اپنی قدیم تہذیب پر شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ قابلِ فخر گردانتے ہوئے زمانے کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ ان کی تہذیبی خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہوئے انھیں بے حد سراہتے ہیں۔ ان کے خیال میں اٹلی کی تہذیب کا نمایاں ترین وصف تعلق اور وابستگی ہے۔ اپنے کلچر سے وابستگی، تہذیبی روایات سے وابستگی، قدیم عمارتوں سے وابستگی، قدیم خاندانوں سے وابستگی، انسانوں سے وابستگی، اپنوں سے وابستگی اور غیروں سے وابستگی ایسی خوبی ہے کہ اغیار کو بھی اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔ احمد(8) کے بقول:

"اٹلی میں خاندانوں سے ان کی وابستگی ایک زمانے سے چلی آتی ہے جو ابھی تک ٹوٹنے نہیں پائی۔"

پیار، محبت، خلوص اور احترام آدمیت ان کے اوصافِ حمیدہ میں شامل ہے۔ اشفاق احمد نے اٹلی میں احترامِ آدمیت کے جو مناظر دیکھے۔ انھوں نے زندگی بھر انھیں اپنے حصار میں رکھا اور وہ تمام عمر لوگوں کو اسی کی تلقین کرتے رہے گو اس میں ان کے صوفیانہ مزاج کو بھی دخل ہے لیکن اٹلی کی فضا نے ان کے افکار و خیالات کو بہت گہرائی سے متاثر کیا تھا۔

اٹلی کے کلچر اور ثقافت میں رومانویت کا عنصر پوری طرح شامل دکھائی دیتا ہے جس کے سبب فضا کھلی اور آزاد محسوس ہوتی ہے اور کسی قسم کی گھٹن کا احساس نہیں ہوتا لیکن یہ آزادہ روی، مذہبی بے راہ روی کا سبب ہرگز نہیں ہے۔ احمد(9) کا تجزیہ ہے:

"ان کی رومانوی زندگی اور آزاد ماحول کے باوجود اٹلی اور خاص طور پر روم میں ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی میں مذہب کا بہت عمل دخل ہے اور وہ ان کی زندگیوں میں لاشعوری طور پر ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔"

اٹلی کے لوگوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بلا تحقیق کسی شے کے بارے میں رائے قائم نہیں کرتے۔ وہ ہمہ وقت حقائق کی کھوج میں رہتے ہیں جبکہ اشفاق احمد کے بقول ہم لوگ کسی بھی معاملے میں بلا سوچے سمجھے اپنی رائے کا نہ

صرف اظہار کرنے لگتے ہیں بلکہ اپنی رائے دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔احمد(10)اپنی مثال پیش کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یونیورسٹی کی لائبریرین سینورینا پتسالی نے سوال کیا:

"پروفیسر میں نے سنا ہے کہ آپ کے ملک میں ابھی تک لوگ سوپر نیچرل چیزوں پر یقین کرتے ہیں؟۔۔۔مافوق الفطرت کو مانتے ہیں۔۔۔وہاں پر آسیب زدہ مکان ہوتے ہیں؟"

احمد(11)بتاتے ہیں کہ میں نے فوراًاس کا بطلان کر دیا اور کہا:

"ہمارے پاکستان کے تو سارے لوگ تعلیم یافتہ ہیں اور ہم نہیں مانتے ان دقیانوسی باتوں کو۔۔۔یہ تو سب جھوٹی باتیں ہیں۔کوئی آسیب زدہ مکان نہیں ہوتا کوئی دین و مذہب کا رولا نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ پروفیسر فیراکوتی قریب ہی تشریف فرما تھے۔کہنے لگے۔پروفیسر صاحب ہمیں آپ پر فخر ہے بلکہ پوری روم یونیورسٹی کو آپ پر فخر ہونا چاہیے۔ایسا عظیم آدمی ہمارے سٹاف میں شامل ہے جسے القائے ربانی ہوتا ہے۔"

اشفاق احمد اس نکتے کو بخوبی سمجھ گئے کہ بلا تحقیق کسی شے کا استرداد نہیں کرنا چاہیے۔کھوج، جستجو اور تحقیق جس قدر مزاج کا حصہ ہو گی اسی قدر ہم پر حقائق منکشف ہوں گے اور ہم سچائی کے قریب رہیں گے۔روم میں نیو رئیلسٹک تحریک عروج پر تھی جس کے تحت انسان کے باطن کا کھوج لگا کر منفرد، جاذب توجہ اور سچی تصاویر اصلی ماحول میں پیش کرنے کی سعی کی جاتی۔اشفاق احمد بھی اس سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے اور انھوں نے اپنا شہرہ آفاق افسانہ "گڈریا" لکھ ڈالا۔وہ(12)خود اعتراف کرتے ہیں:

"اٹلی میں قیام کے دوران ہم جتنے بھی ڈرامے یا فلمیں دیکھنے جایا کرتے تھے۔وی نیو رئیلسٹک تحریک کے تحت لکھے اور پیش کیے جاتے تھے۔یہ بات میں اور میرے پبلشر کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہاں رہتے ہوئے اور اس سے متاثر ہو کر اپنا ایک طویل افسانہ رک رک کر "ٹوٹوں" کی شکل میں لکھا۔مجھ پر اٹلی کے ماحول کا بہت زیادہ اثر تھا کیونکہ وہاں سچ مچ کے لوگ رہتے ہیں جن کے پاس کوئی بڑی بات کہنے کے لیے ہے ہی نہیں۔اسی ماحول میں لکھا ہوا میرا یہ افسانہ اس قدر مقبول ہوا جس کی مجھے توقع ہی نہیں تھی۔میں اطالوی زندگی کا بہت شکر گزار ہوں اور ان جگہوں کا بھی، جہاں رک رک کر یہ افسانہ لکھتا رہا تھا۔"

اشفاق احمد نے مشرقی دانش اور بابوں کی تلاش کا جو سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔اس کا آغاز بھی اٹلی کے ماحول سے اثر پزیری کے تحت وہیں سے ہو گیا تھا۔اٹلی میں قیام کے دوران اشفاق احمد کو مختلف ممالک کی سیاحت کے مواقع بھی خوب ملے۔وہ تعطیلات کے دوران آسٹریا(10-ستمبر 1953ء)، ہالینڈ(18-ستمبر 1953ء)، فرانس(2-اکتوبر

1953ء)اور بارسلونا،اسپین(13-اکتوبر1953ء) تشریف لے گئے اور اگلے سال دوبارہ بغرضِ سیاحت فرانس(7-اکتوبر1954ء)اور ملازمت کی تکمیل پر جرمنی(31-دسمبر1954ء) چلے گئے۔یوں انھیں کئی تہذیبوں اور ثقافتوں کے مشاہدے کا موقع ملا اور ان کی معلومات اور علم میں اضافے کا باعث بنا۔اسی دوران انھوں نے گرینوبل یونیورسٹی، فرانس سے 1953ء میں فرانسیسی زبان میں باقاعدہ ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔زبان کی اجنبیت دور ہونے سے لوگوں کی نفسیات اور خیالات سے بھی آگاہی ممکن ہو جاتی ہے۔اشفاق احمد نے اپنے یادگار واقعات کو سفر ناموں کی صورت بھی بیان کیا ہے جو مختلف رسائل کی زینت بنتے رہے اور اب ان کی تصنیف "سفر مینا" میں شامل ہیں۔روم کے سفر نامے "سوادرومتہ الکبرٰی" کے علاوہ بھی ان کی تحریروں خصوصاً افسانوں میں روم کی یادوں کا ذکر ہے مثلاً ان کا افسانہ "ایل ویرا" روم کی یادوں پر مشتمل ہے۔اشفاق احمد کے یادوں کے خزانے میں فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں لکھے ہوئے دوستوں کے خطوط اور کارڈز موجود ہیں جو اشفاق احمد کے ان دوستوں سے رابطے اور تعلق کے گواہ ہیں۔

اٹلی ان کا محبوب وطن ہے۔اس کی یادوں نے تمام عمر اشفاق احمد کے دل میں بسیرا کیے رکھا۔دوسرے ممالک کی نسبت یہاں ان کا قیام طویل عرصہ تک رہا۔وہ ہمیشہ اپنی گفتگو اور تحریروں میں اٹلی کی تعریف میں رطب اللساں رہے۔وہ(13)اپنے سفر نامے "سوادرومتہ الکبرٰی'میں لکھتے ہیں:

"روم واقعی بہت بڑا ہے۔بہت عظیم ہے۔اس کے کھنڈر عظیم،اس کی امنگیں بڑی،اس کا نام بڑا۔۔۔
روم میں وہ سب کچھ موجود ہے جو زندگی کی حرارت برقرار رکھتا ہے یا رکھ سکتا ہے"

اٹلی میں قیام کے دوران انھوں نے بہت کچھ سیکھا اور مشاہدہ کیا۔وہاں کے دوستوں،گلیوں،بازاروں،پارکوں اور سڑکوں وغیرہ کا ذکر بڑی اپنائیت سے کرتے ہیں۔انھیں اٹلی کے ذکر میں اٹلی کی خوشبو بسی ہوئی محسوس ہوتی ہے جس سے وہ دوسروں کو بھی مسحور کر دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی:

1۔ملاقات:آفاقی،علی سفیان،(2004)مشمولہ:باتوں سے خوشبو آئے،مرتبہ نواز،محمد کھرل،لاہور،زاویہ پبلشرز،ص166

2۔ایضاً،ص174

3۔احمد،اشفاق کا اٹلی سے خط بنام امی جان،(2011)مشمولہ:راہ رواں،مصنفہ:قدسیہ،بانو،لاہور،سنگِ میل پبلی کیشنز،ص127

4۔ ایضاً، ص130

5۔ ملاقات: آفاقی، علی سفیان،(2004)مشمولہ:باتوں سے خوشبو آئے،مرتبہ نواز، محمد کھرل،لاہور،زاویہ پبلشرز، ص168

6۔ ایضاً

7۔ ایضاً، ص169

8۔ ایضاً، ص172

9۔ ایضاً، ص171

10۔ مصاحبہ۔یزدانی، حامد،(2004)مشمولہ:باتوں سے خوشبو آئے،مرتبہ نواز، محمد کھرل،لاہور،زاویہ پبلشرز، ص266

11۔ ایضاً

12۔ ملاقات: آفاقی، علی سفیان،(2004)مشمولہ:باتوں سے خوشبو آئے،مرتبہ نواز، محمد کھرل،لاہور، زاویہ پبلشرز، ص121

13۔ احمد، اشفاق،(1984)،سفر مینا، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز،(بار دوم)، ص11